(۸۱)

سورۃ التکویر

مکیہ ہے اور اس میں (۲۹) آیتیں ہیں

اس سورت شریفہ کو "سورۂ کوّرت" اور "سورۂ اذا الشمس کوّرت" بھی کہتے ہیں۔ تیسیر میں لکھا ہے کہ اس میں (۲۸) آیات ہیں بظاہر یہ کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس لئے کہ بسم اللہ کو جن بزرگوں نے داخل سمجھا ان کے نزدیک اس میں (۲۹) آیات ہوئیں اور جنھوں نے خارج رکھا (۲۸) تعداد ٹھہری۔

ماقبل سے ربط سورت ماقبل سے اس کا ربط ظاہر ہے کہ اس کے آخر میں قیامت اور اس کی ہولناکی کا ذکر فرمایا گیا تھا اور اس سورت شریفہ کی ابتدا ہی قیامت کے بیان سے فرمائی جارہی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور ختم المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین نے فرمایا: من سرہ ان ینظر الی یوم القیامۃ رأي العین فلیقرأ اذا الشمس کوّرت واذا السماء انفطرت و اذا السماء انشقت (امام احمدؒ، ترمذی بروایت حسن) جس کو خوشی ہو کہ قیامت کے دن کا آنکھوں دیکھا مشاہدہ کرے تو اس کو اذا الشمس کوّرت اور اذا السماء انفطرت

اور اذا السماء انشقت کی سورتیں پڑھ لینی چاہئیں" کہ ان کے پڑھنے سے روز قیامت کی پوری پوری تصویر آنکھوں میں کھنچ جاتی ہے۔ امام بغویؒ کی روایت میں صرف اذا الشمس کورت آیا ہے۔ مابعد سورتوں کا اس میں ذکر نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

81-1 81-2 81-3 اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝ وَاِذَا الْجِبَالُ
81-4 81-5 81-6 سُيِّرَتْ ۝ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝
81-7 81-8 وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ
81-9 81-10 سُئِلَتْ ۝ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝ وَ
81-11 81-12 اِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۝ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ۝ وَاِذَا الْجَنَّةُ
81-13 81-14 اُزْلِفَتْ ۝ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ۝ جب آفتاب تاریک ہو جائے

علہ صاحب توضیح فرماتے ہیں:۔ ودخولہ فی امر کائن او منتظر لامحالۃ۔ اور کلمہ اذا ایسے امر پر آیا کرتا ہے جو بالضرور وقوع میں آئے اب یا آئندہ" اور صاحب تلویح فرماتے ہیں:۔ ویکون استعمالہ فیما ھو قطعی الوجود۔ اذا کا استعمال ایسے

اور جب تارے جھڑ پڑیں اور جب پہاڑ چلائے جائیں، اور جب دس مہینے کی گابھن اونٹنیاں

چھُٹی پھریں، اور جب وحشی جانور جمع کئے جائیں، اور جب دریا سلگائے جائیں، اور

جب جانیں جوڑ دی جائیں، اور جب زندہ دفن کی ہوئی سے پوچھا جائے کہ وہ کس

گناہ میں ماری گئی، اور جب اعمال نامے کھولے جائیں، اور جب آسمان کا پوست اتار

لیا جائے، اور جب دوزخ دہکائی جائے اور جب جنت نزدیک لائی جائے تو جان لیگا

ہر شخص جو لے آیا۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ علہ)

امور میں ہوا کرتا ہے جن کا وقوع پذیر ہونا قطعی اور یقینی ہو" یہ مذہب کوفیین کا ہے! اور بصریین

کہتے ہیں:۔ دخول اذا انما یکون لامر کائن متحقق فی الحال او امر یقطع بتحققہ

فی الاستقبال مثل قولہ تعالیٰ اذا السماء انفطرت۔ اذا ایسے امر پر آیا کرتا ہے جو

فی الحال ثابت اور متحقق ہو چکا ہو یا ایسے امر پر داخل ہوتا ہے جس کا ثابت اور متحقق ہونا آئندہ زمانے

میں قطعی اور یقینی ہو جیسا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ اذا السماء انفطرت یعنی جبکہ

آسمانوں میں شگاف پڑ جائیں۔" گو بحالت موجودہ آسمان میں کوئی شگاف نہیں ہے لیکن ایک ایسے

وقت کی آمد یقینی ہے کہ اس میں شگاف پڑ جائیں گے۔ بہر حال نحاۃ کوفیین و بصریین کا اس پر اتفاق

ہے کہ اِذا ایسے امور پر آیا کرتا ہے جو کہ متحقق ہو یا آئندہ قطعی طور پر وقوع میں آنے والا ہو۔

ان آیات کریمہ میں جن جن امور کا اِذَا کے ذریعہ ذکر فرمایا گیا ہے یعنی روشن اور درخشاں آفتاب کا تاریک ہو جانا، تاروں کا جھڑ پڑنا، پہاڑوں کا چلایا جانا دس مہینے کی گابھن اونٹنیوں سے بھی استغنا برتا جانا، دریاؤں کا سلگا دیا جانا، اور انسانوں کا اپنے ہم مشربوں کے ساتھ جوڑ دیا جانا، زندہ درگور کی ہوئی لڑکیوں سے پوچھا جانا کہ تم کو کس جرم میں قتل کر دیا گیا تھا؟ نامۂ اعمال کا کھولا جانا، آسمانوں کا پوست اتار دیا جانا، دوزخ کو دہکایا جانا، اور جنت کو (اہل جنت سے) قریب کر دیا جانا، یہ تمام ایسے امور ہیں جن کا وقوع اگرچہ اب تک نہیں ہوا لیکن ایسا وقت ضرور آنے والا ہے اور قطعاً و یقیناً وہ وقت آ رہیگا کہ یہ سب باتیں اپنے اپنے وقت پر ہو رہینگی۔ اس میں کسی ریب و شک یا تردد کی گنجائش نہیں ہے اس وقت ہر کس و ناکس کو معلوم ہو جائیگا کہ دنیا کی زندگی میں اس نے کیا کمایا تھا اور اب آج کے دن کے لئے کیا کارنامہ لے کر حاضر ہوا ہے؟ اگرچہ منکرین آج انکار کرتے ہوں لیکن کل اکی واقعیت آشکار ہو کر رہیگی۔

اِذَا الشَّمس کوِّرت کی تفسیر اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ۔ جبکہ آفتاب لپیٹ دیا جائے" یعنی اس کو تہ کر کے رکھ دیا جائے۔ یہ اس کے اصلی اور حقیقی معنی ہیں۔ اور آفتاب کی روشنی گل ہو جانا اور اس کا بے نور ہو جانا، اس کے لازمی اور مجازی معنی ہیں۔

کیونکہ ظاہر ہے کہ جب آفتاب کو تہ کرکے رکھ دیا جائے تو روشنی کہاں باقی رہیگی ؟ سلف صالحین سے یہی منقول ہے جس کی روایات صحاح اور دیگر کتب احادیث شریفہ میں بکثرت موجود ہیں۔ مفسرین کرام نے بھی یہی معنی مراد لئے ہیں جو بجائے خود بالکل درست ہیں۔ یہ اس لئے ہوگا کہ آفتاب کی آفرینش دار دنیا کو روشن اور اس میں رہنے والوں کے فائدے کے لئے ہوئی تھی۔ جب اس کی مدت ختم ہوجائیگی اور دار آخرت در پیش ہوگا تو وہ دنیا اور اس کے لوازم سب برخاست ہوجائیں گے اور وہ عالم ہی دوسرا ہوگا جیسے کوئی تقریب ہوتی ہے تو اس کے مناسب حال انتظامات عمل میں لائے جاتے ہیں۔ جہاں تقریب ادا ہوچکی تو اس کی خاطر جو عارضی انتظامات کئے گئے تھے وہ سب مٹادئے جاتے ہیں۔

چاند اور سورج کا حشر

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضرت سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ الشمس والقمر مکوّران یوم القیامۃ ۔ (بخاری)

اور مسند بزار میں اس پر اور اتنا اضافہ ہے:۔ فی النار۔ سورج اور چاند قیامت کے دن لپیٹ دیے جائیں گے اور ان کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا" اسکی وجہ حضرت ابومریمؓ کی روایت میں مذکور ہے جس میں بارگاہ رسالت سے ارشاد ہوا ہے:۔

اذا الشمس کوّرت قال کوّرت فی جھنّم واذا النجوم انکدرت قال انکدرت فی جھنّم وکل من عبد من دون اللہ فھو فی جھنّم الا ما کان من عیسیٰ بن

مریم وامّه ولو رضیا ان یعبد الله خلاها۔ (ابن ابی حاتم دیلمی) اذا الشمس کورت کی تفسیر میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ آفتاب لپیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائیگا اور اذا النجوم انکدرت کی تفسیر یوں ارشاد ہوئی کہ تمام تارے دوزخ میں جھڑ پڑینگے اس طرح ہر وہ چیز جس کی پرستش غیر اللہ کے پجاریوں کے ذریعہ دنیا میں ہوتی رہی وہ دوزخ میں ڈال دی جائیگی۔ اس سے حضرت عیسیٰ بن مریم اور آپ کی والدہ محترمہ مستثنیٰ رہیں گی (کیونکہ یہ اپنی پرستش کی جانے سے کبھی خوش نہ تھے) اور بفرض محال اگر یہ بھی اپنی پوجا کی جانے سے رضا مند رہتے تو ان کے ساتھ بھی یہی عمل ہوتا"

ایک اشکال کا جواب

بعض روایات میں ہے کہ سورج و قمر کو دریا میں ڈال دیا جائیگا۔ اس پر بعضوں کو یہ اشکال درپیش ہے کہ دریا تو زمین کا ایک جزو ہیں اور آفتاب کا حجم پوری زمین سے کئی سو درجہ بڑا ہے پھر اتنی بڑی چیز کی سمائی اتنی چھوٹی شے میں کس طرح ہوگی؟ مگر ان لوگوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ اذا الشمس کورت ارشاد ہوا ہے جبکہ آفتاب لپیٹ دیا جائے۔ اور رتہ کر دیا جائے" لپیٹے اور رتہ کرنے کی حالت میں بڑی سے بڑی شے محدود اور مختصر ہو جاتی ہے پھر اس کو کسی چھوٹی چیز میں سما دینا کیا مشکل ہے؟ قبض اور بسط دو صفتیں اپنی جگہ مستقل حقیقت رکھتی ہیں۔ پھر قابض اور باسط یہ دونوں صفات باری ہیں تو بلحاظ حالات مختلف اوقات میں ان صفات کا ظہور جدا گانہ

تجلیات کی صورت میں مستبعد کیوں ہوگا؟ برگد کا درخت دیکھو کہ وہ کتنا بڑا اونچا اور کیسا پھیلا ہوا ہوتا ہے کہ ایک ایک میل تک اس کی شاخیں چلی جاتی ہیں۔ یہ اس کا بسط ہے۔ پھر اس کا بیج دیکھو کہ خشخاش کے برابر ہوتا ہے۔ یہ اس کا قبض ہے اور اسی میں اس کی جڑیں، تنہ، شاخیں، پتے، پھول اور پھل سب کچھ موجود ہیں۔ انسان پر کبھی ایک کیفیت قبض کی پیدا ہوتی ہے تو وہ نہایت منقبض رہ جاتا ہے۔ کوئی چیز اس کو پسند نہیں آتی۔ وہ سب سے روگرداں ہوکر گوشۂ خمول میں جا بیٹھتا ہے۔ پھر کبھی اس پر بسط کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو اس کے دل میں وہ وسعت ہوتی ہے جس کا بیان اس حدیث قدسی میں فرمایا گیا ہے:۔ لا یسعنی ارضی ولا سمآئی ولکن یسعنی قلب عبدی المؤمن۔ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہوتا ہے کہ میری سمائی نہ میری زمین میں ہوسکتی ہے اور نہ میرے آسمانوں میں، لیکن میرے بندۂ مومن کے دل میں میری سمائی ہوسکتی ہے"۔ جس کی وسعت کی کوئی حد نہیں۔ عالم خواب وخیال بھی اسی قبض وبسط کا ایک بہترین نمونہ ہے کہ آنکھ بند ہوتے ہی کچھ ایسے نقشے اور وسیع میدان درپیش ہوتے ہیں جو کسی حد وحساب میں نہیں آسکتے کسی نے کیا خوب کہا۔ ؎

بخیالے زتو راضی بخوابے خوشنود حاصلِ زندگیم خوابے و خیالے دارد

واذا النجوم انکدرت کی تفسیر وَ اِذَا النُّجُوْمُ انْکَدَرَتْ۔ اور جب تارے جھڑ پڑیں" ایسی ہی تفسیر حضرت ضحاک اور حضرت قتادہ سے مروی ہے۔ اول الذکر فرماتے ہیں تساقطت۔ (عبد بن حمید) اور ثانی الذکر نے فرمایا:۔ تساقطت و تھافتت (عبد بن حمید ابن ابی حاتم) گر پڑیں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں" اور حضرت مجاہد نے فرمایا۔ تناثرت۔ (عبد بن حمید ابن المنذر) جھڑ پڑیں" ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے:۔ تغیرت۔ ان کی روشنی، چمک دمک متغیر ہو جائے" بے نور اور مکدر ہو جائیں۔ ان تمام تفاسیر کا مآل ایک ہی ہے کہ یہ حالت برقرار نہ رہے۔ بہر حال کہیں اصلی اور حقیقی معنی بتائے گئے ہیں اور کہیں لازمی اور مجازی۔

تاروں کی کیفیت طریق سماع سے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ ان النجوم قنادیل معلقۃ بین السماء والارض بسلاسل من نور بایدی ملائکۃ من نور فاذا مات من فی السماوات والارض تساقطت من ایدیھم۔ (روح المعانی) تارے (جو اوپر نظر آتے ہیں) قندیلیں ہیں جو آسمان اور زمین کے درمیان، نور کی زنجیروں سے جو نورانی فرشتوں کے ہاتھ میں ہیں لٹکی ہوئی ہیں جب آسمانوں اور زمین کے رہنے والے فنا ہو جائیں گے (اور فرشتے خود باقی نہ رہینگے) تو

وہ تمام معلق قندیلیں نیچے گر پڑینگی" اس سے پتہ چلتا ہے کہ تارے جرم فلک میں جڑے ہوئے نہیں ہیں جیسا کہ متقدمین فلاسفہ اس کے قائل ہیں بلکہ فضا میں معلق ہیں۔ اس سے فلاسفہ جدید کے قول کی تائید ہوتی ہے جن کا قول تقریباً یہی ہے کہ تارے فضا میں معلق ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں ان کو نورانی زنجیروں سے بندھا ہوا اور وہ زنجیریں نورانی مخلوق کے ہاتھوں میں دی ہوئی ہونا بیان فرمایا گیا ہے فلاسفہ جدید نورانیت سے کوسوں دور ہونے کی وجہ سے یہ کہتے ہیں کہ تاروں میں باہمی کشش ہے اس کشش کی بدولت وہ فضا میں معلق ہیں۔

حدیث ابن عباسؓ کی تائید حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کا مضمون دوسری احادیث شریفہ سے ملتا جلتا ہے جن میں سے ایک میں فرمایا گیا:۔ ان لکل شئ ملکا وان قطرۃ من قطرات المطر ینزل معہا ملک۔ ہر ہر چیز کے ساتھ ایک ایک فرشتہ لگا ہوا ہے یہاں تک کہ بارش کا ایک ایک قطرہ جو گرتا ہے تو اس کے ساتھ بھی ایک فرشتہ اترتا ہے" اسی طرح حضرت تاجدار دوجہاں علیہ صلوات الرحمان نے فرمایا:۔ اتانی ملک الجبال (الحدیث) میرے پاس پہاڑوں کا حافظ فرشتہ آیا اور کہنے لگا کہ اگر آپ فرمائیں تو مکہ کے یہ تمام پہاڑ سونے کے بنا دئے جائیں تو میں نے اس کی یہ درخواست قبول نہ کی۔

واذا الجبال سیرت کی تفسیر وَاِذَا الْجِبَالُ سُیِّرَتْ۔ اور جب پہاڑ

چلائے جائیں۔" یعنی پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹادئے جائیں۔ یہ اس وقت ہوگا جبکہ قیامت کے قریب زمین کو زلزلہ ہوگا۔ ایسا شدید کہ زمین کا کوئی حصہ اور گوشہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیگا۔ جب زمین کی یہ کیفیت ہوگی تو ظاہر ہے کہ جس قدر پہاڑ اس پر جمے ہوئے ہیں وہ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے۔ دوسرے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ پہاڑوں کا ثقل دور کردیا جائے اور وہ روئی کے گالوں کی طرح ہلکے پھلکے ہوکر ہوا میں اڑتے پھریں۔ یا یہ کہ پہاڑ چورچور ہوکر غبار کی طرح اڑجائیں۔ اور یہ صورت دوسری دفعہ صور پھونکا جانے کے بعد نمودار ہوگی۔

واذا العشار عطلت کی تفسیر وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ۔ اور جب دس مہینے کی گابھن اونٹنیاں چھٹی پھریں۔" حضرت قتادہ فرماتے ہیں:- سیبھا اھلوھا اتاھم ما شغلھم عنھا فلم تصر ولم تحلب ولم یکن فی الدنیا مال اعجب الیھم منھا۔ (عبد بن حمید، ابن ابی حاتم) یعنی ان اونٹنیوں کے مالکین ان کو چھٹی پھرتی ہوئی چھوڑدیں گے۔ اس کا سبب یہ ہوگا کہ خود مالکین پر ایسی کٹھن آفت آن پڑی ہوگی جو ان کو اپنے سوا کسی اور طرف متوجہ ہونے کا موقع ہی نہ دیگی۔ نہ ان اونٹنیوں کے تھن کو باندھ کر دودھ کی حفاظت کی جاتی ہوگی اور نہ ان کا دودھ دوہ لیا جائیگا۔ بلکہ لاوارث مال کی طرح چھٹی پھرتی رہینگی حالانکہ دس مہینے کی گابھن اونٹنیاں

اہل عرب کے دنیوی اموال میں نفیس ترین مال شمار ہوتی ہیں اس لئے کہ ایسی اونٹنی کی ولادت کا زمانہ قریب پہنچ گیا ہے اب وہ جنے گی تو دودھ اور بچے کے ذریعہ منفعت کی توقعات وابستہ ہو جاتی ہیں۔ خیال کیا جائے کہ جب ایسا نفیس، مرغوب اور پُر منفعت مال، ایسے کمال بے التفاتی اور ناقدری کے ساتھ چھوڑ دیا جائے تو اس کے مالک پر کیسی کٹھن گھڑی آئی ہوگی؟ دس مہینے تک اس کو کھلاتا پلاتا اور اس کی ہر طرح خدمت اور خبر گیری کرتا رہا۔ اور عین اس وقت جبکہ اس کے منافع سے متمتع ہونے کا وقت قریب تھا کہ ایسی مصیبت سر پر آن پہنچی جو اپنے سوا کسی اور طرف توجہ کرنیکا موقع ہی نہیں دیتی۔ یہی ہے ساعت قیامت۔

واذا الوحوش حشرت کی تفسیر

وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ۔ اور جب وحشی جانور جمع کئے جائیں "یعنی وحشی جانور پالتو جانوروں کے ساتھ ملا دئے جائیں۔ اور جو بیگانگت اور نفرت آج ان دونوں قسم کے جانوروں میں موجود ہے کہ بکری اور شیر دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ ایک زبردست دن ایسا آنے والا ہے کہ اس کی دہشت کے آگے بکری کو خوف جو شیر سے تھا اور شیر کا شوق جو بکری کی جانب تھا وہ باقی نہ رہیگا۔ یہ مراد نہیں کہ ان دونوں گروہ میں محبت اور یگانگت پیدا ہو جائیگی اور محبت و پیار سے باہم زندگی گزارتے ہوں گے بلکہ قیامت کی ہیبت کچھ اس درجہ

ان کے دلوں پر مستولی ہوگی کہ وہ آپس کی فطری دشمنی بھول جائیں گے۔ سورۂ عبس کی آیۂ کریمہ یوم یفر المرء کی تفسیر میں اسی نوعیت کا کچھ بیان گزر چکا ہے اس کو ملاحظہ کر لیا جائے۔

واذا البحار سجرت کی تفسیر وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ۔ اور جب دریا سلگائے جائیں" حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں:۔ ست آیات قبل یوم القیامۃ بینما الناس فی اسواقھم اذ ذھب ضوء الشمس فبینما ھم کذلک اذ وقعت الجبال علی وجہ الارض فتحرکت واضطربت واختلطت ففزعت الجن الی الانس والانس الی الجن واختلطت الدواب والطیر والوحش فماجوا بعضھم فی بعض واذا الوحوش حشرت قال اختلطت واذا العشار عطلت اھملھا اھلھا واذا البحار سجرت قال الجن والانس نحن ناتیکم بالخبر فانطلقوا الی البحر فاذا ھی نار تاجج فبینما ھم کذلک اذا انصدعت الارض صدعۃ واحدۃ الی الارض السابعۃ والی السماء السابعۃ فبینما ھم کذلک اذ جاءتھم ریح فاماتتھم۔ (ابن ابی الدنیا، ابن حمید، ابن ابی حاتم)

(اس سورت شریفہ کی ابتداء بارہ نشانیوں سے فرمائی گئی ہے جن میں سے) چھ نشان

روز قیامت سے پہلے ظہور پزیر ہوں گے۔ وہ اس طرح کہ لوگ اپنے بازاروں میں ہونگے کہ یکایک پہاڑ زمین پر گر پڑیں گے جس سے ساری زمین حرکت اور اضطراب میں آجائیگی اور زمین کا ایک ایک حصہ دوسرے سے خلط ملط ہو جائے گا۔ پھر جن گھبرا کر انسانوں کے پاس، اور انسان گھبرا کر جنوں کے پاس دوڑے ہوئے آئیں گے۔ نیز چوپائے، پرند اور وحشی جانور (بدحواس ہوکر) باہم خلط ملط ہو جائیں گے اور ایک گروہ دوسرے میں گھس آئیگا۔ ارشاد باری تعالیٰ واذا الوحوش حشرت میں اسی خلط ملط کی طرف اشارہ ہے اس وقت واذا العشار عطلت کے بموجب دس مہینے کی گابھن اونٹنیاں تک چھٹی پھرتی رہینگی، کسی کو ان کی پرواہ نہیں رہیگی۔ پھر واذا البحار سجرت کے مطابق جب دریاؤں کے سلگائے جانے کی نوبت آئیگی تو بنی جان، انسانوں سے کہیں گے کہ ہم تمہارے ہاں اس کی خبر پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ وہ سمندر کی سمت روانہ ہوں گے جب وہاں پہنچیں گے تو کیا دیکھیں گے کہ پورا سمندر دہکتی ہوئی آگ بنا ہوا ہے۔ پھر یہ سب اسی حالت میں ہونگے کہ زمین و آسمان یکدم پھٹ جائینگے زمین تحت الثری ساتوں طبقوں تک پھٹ جائیگی اور آسمانوں کے پھٹنے کا سلسلہ بھی ساتوں آسمانوں تک چلا جائیگا۔ پھر سب اس حالت میں ہوں گے کہ ایک زبردست آندھی آئیگی جس سے روئے زمین کے تمام متنفس سب کے سب ہلاک ہو جائینگے۔"

یہ چھ امور قیامت سے قبل کے تھے۔ اور وہ امور جو قیامت قائم ہونے کے بعد وقوع پذیر ہوں گے ان میں سے بھی چھ چیزوں کا بیان فرمایا جارہا ہے : ــــ

واذا النفوس زوجت کی تفسیر

وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ۔ اور جب جانیں جوڑ دی جائیں" اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ہر شخص اپنے ہم خیال و ہم مشرب کے ساتھ ملا دیا جائے اور اس طرح لوگوں کے طبقے طبقے قرار دئے جائیں چنانچہ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں : ــ الحق کل انسان بشیعتہ الیھودی بالیھودی والنصرانی بالنصرانی (عبد بن حمید ابن ابی حاتم) ہر انسان اپنے پسندیدہ گروہ یا شخص سے ملا دیا جائے۔ یہودی یہودی کے ساتھ اور نصرانی نصرانی کے ساتھ" نیز سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا : ــ یقرن بین الرجل الصالح مع الصالح فی الجنۃ ویقرن بین الرجل السوء مع السوء فی النار فذلک تزویج الانفس۔ (عبد الرزاق، ابن ابی شیبہ، سعید بن منصور، فریابی، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، حاکم بروایت صحیحہ بیہقی، ابو نعیم) نیک آدمی کو نیک کے ساتھ جنت میں جوڑ دیا جائیگا۔ اور بد کو بد کے ساتھ دوزخ میں ملا دیا جائے گا۔ یہی جانوں کا ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دینا ہے" دوسرے موقع پر فرمایا : ــ تزویجھا ان یوتف کل قوم الی شبھھم وقال احشروا الذین ظلموا وازواجھم۔ (ابن منیع) اہل محشر کا جوڑ دیا جانا یوں ہے کہ ہر قوم کو اس کی

(اعتقادی عملی) مشابہت رکھنے والوں کے ساتھ ملا دیا جائے جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: "(اے گروہ ملائکہ!) ظالموں کو ان کے ہم مشربوں کے ساتھ اکٹھا کردو" یہ صورت تفسیر القرآن بالقرآن کی ہے۔

دوسری تفسیر دوسری تفسیر وہ ہے جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ارواح کو اجساد کے ساتھ جوڑ دیا جائے گا یعنی ہر ایک مردہ جسم میں اس کی جان ڈال دی جائیگی۔

واذا الموءدة سئلت کی تفسیر وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ۔ اور جب زندہ دفن کی ہوئی سے پوچھا جائے کہ وہ کس گناہ میں ماری گئی؟

رسم جاہلیت روح المعانی میں ہے کہ جاہلیت میں کسی کے گھر لڑکی تولد ہوتی اور باپ اس کو زندہ چھوڑنا چاہتا تو اس کو کمبل وغیرہ کا جبہ پہنا کر بکریاں یا اونٹ چرانے کے کام پر لگا دیتا اور اگر اس کو مار ڈالنا چاہتا تو چھ سال کی عمر ہونے پر اس کی ماں سے کہتا کہ اس کو آراستہ پیراستہ کرے خوشبو لگا کر لائے تاکہ اس کے دیوروں کے ہاں لے جاؤں۔ اور ادھر قبل از قبل جنگل میں ایک گڑھا کھود کر رکھتا۔ پھر اپنی اس لڑکی کو بناؤ سنگھار کے ساتھ لیجا کر کہتا کہ بیٹا! اس کنویں میں جھانک کر تو دیکھ۔ جب وہ دیکھتی تو اس کو پیچھے سے ڈھکیل دیتا اور اوپر سے مٹی جھونک دیتا۔ پھر یہ مرض ترقی کرتا گیا اور نوبت یہاں تک پہنچی جو روایت حضرت ابن عباسؓ میں ہے

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ الموؤدۃ ھی المدفوفۃ کانت المرأۃ فی الجاھلیۃ اذا ھی حملت فکان اوان ولادھا حفرت حفرۃ فتمخضت علی رأس تلک الحفرۃ فان ولدت جاریۃ رمت بھا فی تلک الحفرۃ وان ولدت غلاما حبستہ (عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) زمین میں دفن کی ہوئی کو موؤدۃ کہتے ہیں۔ جاہلیت کا عملدرآمد یہ تھا کہ عورت حاملہ ہوتی اور ولادت کا زمانہ قریب آجاتا تو وہ ایک گڑھا کھود رکھتی عورت کا دردزہ اسی گڑھے پر گزرتا۔ اگر لڑکی پیدا ہوئی تو اس کو اسی گڑھے میں پھینک دیا اور اگر لڑکا ہوا تو اس کو روک رکھا۔"

قیس تمیمیؓ کا واقعہ حضرت سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :۔ جاء قیس بن عاصم التمیمی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی وأدت ثمان بنات لی فی الجاھلیۃ فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعتق عن کل واحدۃ رقبۃ قال انی صاحب ابل قال فاھد عن کل واحدۃ بدنۃ۔ (بزار، حاکم، بیہقی) قیس بن عاصم تمیمیؓ حضرت رسول الثقلین امین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ جاہلیت کے دور دورے میں میں نے اپنی آٹھ لڑکیاں زندہ درگور کی ہیں۔ اس پر حضور رحمۃ للعالمین

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر لڑکی کے بدلے میں ایک غلام آزاد کرو۔ میں نے عرض کیا کہ (میرے ہاں غلام نہیں ہیں) میں اونٹوں کا مالک ہوں۔ یہ سنکر آپ نے فرمایا پھر تو ہر لڑکی کے بدلے ایک ایک اونٹ کی قربانی دے دو"

صعصعہؓ کا واقعہ حضرت صعصعہؓ (شاعر مشہور فرزوق کے دادا) فرماتے ہیں:—

قلت یا رسول اللہ انی عملت اعمالا فی الجاھلیۃ فھل لی فیھا من اجر قال وما عملت قال احییت ثلاث مائۃ وستین موؤدۃ اشتری کل واحدۃ منھن بناقتین عشراوین وجمل فھل لی فی ذلک من اجر فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لک اجرہ اذ منّ اللہ علیک بالاسلام۔

(طبرانی) میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے جاہلیت میں بعض کارہائے خیر انجام دیے تھے۔ تو کیا مجھے اُن کاموں کا بھی اجر ملیگا؟ اس پر آپ نے دریافت فرمایا کہ تم نے وہ کیا کام کئے تھے؟ عرض کیا کہ زندہ درگور کی جانے والی تین سو ساٹھ جانوں کو بچایا۔ اس طرح کہ ایک ایک لڑکی کو دس دس مہینے کی دو گابھن اونٹنیاں اور ایک اونٹ دیکر خرید لیا کرتا تھا۔ تو کیا مجھے اس کا بھی کوئی ثواب ملیگا؟ تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ سبحانہ نے تم کو نعمت اسلام سے سرفراز فرمایا ہے تو تمھیں ان اعمال کا بھی اجر ملیگا"

اسی بنا پر شاعر فرزوق نے اپنے مفاخر میں یہ شعر کہا ہے : ؎

وجدی الذی منع الوائدات فاحیا الوئید فلم توءد

میرے جد (دادا) وہ ہیں جنھوں نے کتنی زندہ درگور کرنے والیوں کو ان کے عمل سے روک دیا۔ اور اس طرح دفن کردی جانے والیوں کی جانیں بچالیں پھر وہ زندہ در گور نہ کی جاسکیں۔"

جب قیامت ہوگی تو سب کے ساتھ ایسی لڑکیاں بھی اٹھائی جائینگی اور ایک ایک لڑکی سے پوچھا جائیگا کہ کس جرم میں تجھ کو قتل کیا گیا تھا؟ یہ سوال ایک خاص نوعیت رکھتا ہے کہ ظالم سے بازپرس کرنے کی جگہ مظلوم سے پوچھا جارہا ہے۔ ایسا اس وقت ہوتا ہے جبکہ مظلوم کی مظلومیت عالم آشکار ہو تو ظالم اور مظلوم دونوں کو کھڑا کرکے ظالم کے روبرو مظلوم سے دریافت کیا جاتا ہے۔ اس میں کئی خوبیاں ہیں۔ ایک یہ کہ مظلوم کی تسلی خاطر ہوتی ہے اور اس کو اطمینان ہوتا ہے کہ کامیابی اسی کے حق میں ہے۔ اور ظالم حد درجہ معتوب قرار پاتا ہے کہ لائق خطاب و التفات تک نہیں سمجھا گیا۔ نیز اس کو یقین کامل ہوجاتا ہے کہ جرم پوری طرح ثابت ہوچکا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے:۔ یا عیسی بن مریم ءانت قلت للناس اتخذونی و امی الٰھین من دون اللہ۔ عیسی بن مریم! کیا آپ نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کو

چھوڑ کر مجھے اور میری والدہ کو اپنا خدا بنالو ؟" اس عنایت و سرفرازی سے فیضیاب ہو کر حضرت مسیح علیہ السلام کس شرح وبسط کے ساتھ جواب ادا فرمائیں گے اس کا بیان مذکور الصدر آیہ کریمہ کی تفسیر کے سلسلہ میں معلوم ہوگا۔ یہی صورت اس آیہ کریمہ میں بھی اختیار فرمائی گئی ہے

سئلت کی دوسری تفسیر بعض مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ سُئِلَتْ بصیغہ مجہول سَأَلَتْ بصیغہ معروف کے معنی میں ہے یعنی خود زندہ درگور کی ہوئی لڑکیاں بارگاہِ رب العزت جل جلالہ میں پیش ہو کر فریادی ہونگی اور پوچھتی جائینگی۔ پروردگارا! ہم کو جیتے جی زمین میں دفن کردیا گیا تھا۔ آج انصاف کا دن ہے۔ اس امر کی بھی دریافت ہونی چاہیے کہ ہم نے کسی کا کیا بگاڑا تھا؟ اور کس جرم کی پاداش میں ہم کو قتل کردیا گیا؟ کیونکہ ان میں بعض لڑکیاں ایسی بھی تھیں جو صرف پیدا ہوئی تھیں۔ ایسی نومولود لڑکی کو دفن کردیا گیا۔ بعض کو زیادہ سے زیادہ چھ۶ سال کی عمر تک پہنچنے دیا گیا جیسا کہ اوپر گزرا پھر اس کے ساتھ بھی وہی وحشتناک سلوک کیا گیا۔ ان قاتلین سے دریافت فرمایا جائے کہ ایسا کیوں ہوا؟

واذا الصحف نشرت کی تفسیر وَ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ۔ اور جب نامہ ہائے اعمال کھولے جائیں" حضرت ابن جریج فرماتے ہیں:۔ اذا مات الانسان طویت صحیفتہ ثمّ تنشر یوم القیامۃ فیحاسب بما فیھا۔ (ابن المنذر) جب انسان مرتا ہے تو

اس کا صحیفہ (اعمال نامہ) لپیٹ دیا جاتا ہے۔ پھر قیامت کے دن اس کو کھولا جائیگا۔ اور اس میں جو کچھ لکھا ہوگا اس کے مطابق اس سے حساب لیا جائے گا" حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت رسول اکرم نبی افخم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:- یحشر الناس عراۃ حفاۃ۔ لوگ حشر میں برہنہ تن برہنہ پا اٹھائے جائیں گے" اس پر ام المومنین حضرت ام سلمہؓ عرض پرداز ہوئیں فکیف بالنساء۔ پھر عورتوں کا کیا حال ہوگا؟ تو فرمایا شغل النساء یا ام سلمۃ اے ام سلمہ! عورتوں کو اپنی آپڑیگی" حضرت ام سلمہ نے عرض کیا۔ وہ آپڑنے والی چیز کیا ہوگی؟ تو ارشاد مبارک ہوا:۔ نشر الصحف فیھا مثاقیل الذر ومثاقیل الخردل۔ اجی اعمال نامے کھولے جائیں گے جن میں ایک ایک ذرہ اور ایک ایک رائی کے دانے کے برابر اعمال تک درج رہیں گے" اس حدیث شریف کا کچھ بیان اوپر گزر چکا ہے۔ اور مرثد بن وداعہ کی روایت میں ہے:۔ اذا کان یوم القیامۃ تطایرت الصحف من تحت العرش فتقع صحیفۃ المؤمن فی یدہ فی جنۃ عالیۃ وتقع صحیفۃ الکافر فی یدہ فی سموم و حمیم ای مکتوب فیھا ذلک وھی صحف غیر صحف الاعمال۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو عرش اعظم کے نیچے سے صحیفے اترتے ہوئے آئیں گے ان میں سے جو اہل ایمان سے متعلق ہوں گے وہ مومنین کے ہاتھوں میں آجائیں گے ان میں لکھا ہوگا کہ یہ بلند درجہ والی

جنت میں رہیں۔ اور کافر کا صحیفہ اس کے ہاتھ میں آپڑیگا۔ اس میں لکھا ہوگا کہ یہ دوزخ کی زہریلی گرم ہوا میں رہے " اس سے معلوم ہوا کہ یہاں صُحُف سے نامۂ اعمال مراد نہیں داخلہ کے اجازت نامے ہیں۔ واللہ اعلم۔

واذا السماء کشطت کی تفسیر وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ۔ اور جب آسمان کا پوست کھینچ جائے " یعنی آسمان جو بطور حجاب ہیں ان کو ہٹا لیا جائے۔ اور ان کے اندر جو چیزیں ہیں وہ سب نظر آنے لگیں جیسا کہ ذبح کی ہوئی بکری کا پوست اتار لیا جائے تو اس کے اندر کی تمام چیزیں نظر کے سامنے ہو جاتی ہیں اسی طرح آسمانوں کے ساتھ بھی یہی عمل ہوگا۔ یہ صورت کب پیش آئیگی اس کے اوقات کے بیان میں روایات مختلف ہیں۔ حضرت محمد بن کعب قرظی نے یہاں صاحب افصاح کی یہ توجیہ نقل کی ہے جو بہترین قول فیصل ہے :-

صاحب افصاح کا فیصلہ تبدیل السماوات والارض یقع مرتین احدھا تبدیل صفاتھا فقط وذلک قبل نفخة الصعق فتنتشر الکواکب وتخسف الشمس والقمر وتصیر السماء کالمھل وتکشط عن الرؤس وتسیر الجبال ویصیر البحر نارا وعوج الارض وینشق الی ان تصیر المصیئة غیر الھیئة ثم بین النفختین تطوی السماء والارض وتبدل السماء بسماء اخریٰ۔ (مظہری)

آسمانوں اور زمین کی تبدیلی دو دفعہ ہو گی۔ پہلی تبدیلی صرف تبدیلی صفات کی حد تک محدود ہو گی، اور یہ تبدیلی بیہوش کرنیوالا صور پھونکے جانے سے قبل ہو گی جس کے نتیجہ میں تارے جھڑ پڑیں گے۔ سورج اور چاند کو گہن لگ جائیگا۔ اور آسمان کا رنگ گرم تیل کی تلچھٹ کی طرح ہو گا۔ اور سروں کا پوست اتار لیا جائیگا۔ پہاڑ چلنا اور اڑنا شروع کر دیں گے۔ سمندر آگ ہی آگ ہو جائیگا۔ زمین کی کجی نشیب و فراز اور موڑ توڑ سب کچھ دور ہو جائیگا اور زمین پھٹ جائیگی جس کی وجہ سے اس کی ہیئت ہی کچھ اور ہو جائیگی۔ دیہ پہلی تبدیلی ہے جس میں کائنات کی چیزوں کے صرف اوصاف بدل جائیں گے۔ دوسری تبدیلی ذات ہے چنانچہ ایک صور پھونکے جانے کے بعد خود آسمان و زمین کو لپیٹ دیا جائے گا۔ نہ زمین زمین رہیگی اور نہ آسمان آسمان۔ بلکہ کچھ اور ہی آسمان و زمین ہونگے ع آں زمیں را آسمانے دیگر است

واذا الجحیم سعرت کی تفسیر

وَاِذَا الْجَحِیْمُ سُعِّرَتْ۔ اور جب دوزخ کو دہکایا جائے"۔ سابق میں معلوم ہو چکا ہے کہ قیامت کا دن، روز جزا ہے۔ اس دن ہر شخص کو اس کے کئے کی جزا ملیگی۔ اگر کوئی بد ہے تو اس کی جزا بھی بد ہے اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ دوزخ بدکاروں کا مقام ہے۔ جہاں کافروں کو ابدالآباد اور خطاکاروں کو بقدر گناہ ٹھہرنا ہو گا۔ ایسوں کو جب سزا دینے کا وقت آئیگا تو

دوزخ کو تیز کردیا جائیگا تاکہ سزا کا مقصد بآسانی حاصل ہوسکے۔ گو دوزخ اسوقت بھی موجود اور سلگی ہوئی ہے لیکن سزا دہی کے موقع پر اس کو دہکایا جائے گا۔ جیسا کہ ریل یا موٹر کو رفتار میں لانا یا اس کی رفتار تیز تر کرنا ہوتا ہے تو اس کے انجن کو تیز کیا جاتا ہے۔ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں:۔ سعرھا غضب اللہ تعالی وخطایا بنی آدم "دوزخ کا دہکایا جانا' درحقیقت اللہ سبحانہ تعالی کے غضب کی تجلی ہے اور بنی آدم کی خطائیں اس کا سبب ہیں۔"

واذا الجنۃ ازلفت کی تفسیر وَاِذَا الْجَنَّۃُ اُزْلِفَتْ۔ اور جبکہ جنت نزدیک کردی جائے۔" قریب لا کھڑی کی جائے۔ یہ مومنین متقین کے لئے ہوگا کہ جنت ان سے قریب تر کردی جائیگی۔ ایسا معلوم ہوگا کہ اب ہم یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں اس کے بعد جو قدم اٹھیگا وہ جنت ہی میں جا پڑیگا۔ حدیث شریف میں آیا ہے:۔ حُفّت النار بالشہوات وحفت الجنۃ بالمکارہ۔ "دوزخ خواہشات نفسانی سے گھری ہوئی ہے اور جنت' مشقتوں سے گھری ہوئی ہے۔" اس اعتبار سے جو کوئی نفسانی خواہشات کے دلدل میں پھنسا ہوا ہے اس کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ وہ دوزخ کی راہ اختیار کئے ہوئے ہے اور دوزخ سے قریب ہوتا جارہا ہے۔ بخلاف اس کے جو کوئی خداترس بندہ خواہش نفس کا خلاف کرتا اور خود کو محنت و مشقت کا عادی بناتا

جا رہا ہے درحقیقت وہ جنت کی راہ اختیار کئے ہوئے ہے اور جنت سے قریب ہوتا جارہا ہے۔ یہی سبب ہے کہ متقین جو طاعت الٰہی پر قائم ہیں ان کو کیسی ہی شوا ریاں پیش آئیں ان پر بہر قیمت غالب آتے اور طاعت کی راہ طے کئے جاتے ہیں کیوں کہ ان کو جنت نزدیک کرکے دکھائی گئی ہے۔ بہر حال جب یہ صورت حقیقی طور پر سامنے آجائے اور قیامت میں ایسا ہوگا۔

عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّاۤ اَحۡضَرَتۡ کی تفسیر

علمت نفس ما احضرت۔ تو جان لے گا ایک ایک متنفس کہ اس نے کیا حاضر لایا ہے "یعنی دنیا کی زندگی میں اس نے جو کچھ کیا آیا وہ عمل ایسا ہے جو آج کارآمد ہوگا۔ اور اس کے بہترین نتائج برآمد ہوں گے۔ ان کو سننے دیکھنے سے مسرت حاصل ہوگی۔ اس کامیاب زندگی پر مبارک باد دی جائے گی۔ اس کے ثمرات دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی اور بے ساختہ زبان پر کلمات حمد و شکر جاری ہوں گے:۔ الحمد للّٰہ الذی صدقنا وعدہ واورثنا الارض نتبوأ من الجنۃ حیث نشآء۔ اللہ سبحانہ کا لاکھ لاکھ شکر اور ساری خوبیاں اسی کے لائق اور سزاوار ہیں جس نے اپنا دیا ہوا وعدہ پورا کر دکھایا اور ہم کو ارض جنت کا وارث قرار دیا۔ اب ہم جنت میں جہاں چاہیں اپنا ٹھکانہ بنا سکتے ہیں"

حضرت عمرؓ کا تأثر حضرت اسلم بن عبداللہ کہتے ہیں :۔ قال عمرؓ لما بلغ علمت نفس ما احضرت قال لھذا اجری الحدیث۔ (عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سورۃ (اذا الشمس کورت) کی تلاوت کرتے ہوئے جب آیۂ کریمہ علمت نفس ما احضرت پر پہنچے تو فرمایا کہ سلسلۂ کلام اسی آیہ کریمہ کے لئے آغاز فرمایا گیا ہے۔" یعنی سورۃ شریفہ کے آغاز میں بارہ[۱۲] شروط کا جو ذکر فرمایا گیا ہے اُن میں سے چھ روز قیامت کے آنے سے پہلے نمودار ہونگی اور چھ بعد روز قیامت۔ جب یہ پوری بارہ شرطیں پائی جائینگی عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ۔ تو ایک ایک متنفس کو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے اپنی زندگی بھر کا ثمرہ کیا لایا ہے۔ یہ بات تو اس قابل تھی کہ ہر وقت اس کو پیش نظر رکھا جاتا اور اسی نکتہ کے مدنظر ہر ہر کام انجام دیا جاتا۔ لیکن ہر ہر شخص سے یہ توقع کہاں کی جاسکتی ہے، لوگ تو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ الناس نیام اذا ماتوا انتبھوا۔ اس وقت لوگ سوئے ہوئے ہیں جب موت آئیگی تو بیدار ہوں گے۔" مگر اس وقت کی بیداری کیا کام دیگی ؟ اسی طرح لوگ آج قیامت اور اس کے لوازم (حساب وکتاب سزا و جزا) سے غافل بلکہ اکثر منکر ہیں لیکن جب یہ بارہ صورتیں وقوع میں آجائینگی

جن کا وقوع پذیر ہونا یقینی ہے تو اس وقت سب کو معلوم ہو جائے گا کہ دنیا میں جس مقصد کے لئے انھیں بھیجا گیا تھا اس میں کس حد تک کامیاب رہے؟

حضرت ابن مسعودؓ کا تاثر کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی مجلس میں اس سورۂ شریفہ کو پڑھنا شروع کیا۔ اس کی تلاوت کرتا ہوا جب آیۂ کریمہ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ پر پہنچا تو حضرت ابن مسعود بے ساختہ بول اٹھے:۔ واانقطاع ظھریاہ۔ (روح المعانی) یہ آیۂ کریمہ کیا ہی کمر توڑنے والی ہے؟

بہر حال جب اعمال لئے ہوئے اس طرح آخرت میں حاضر ہونا یقینی امر ہے تو انسان کو چاہیئے کہ ابھی سے اپنے اعمال و احوال کا جائزہ لے۔ اور ایسا کوئی کام نہ کرے جس سے فردائے قیامت' ندامت اٹھانی پڑے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ روزِ قیامت یوم الحسرت ہے۔ بدکار کو حسرت ہوگی کہ ایسا کام کیوں کیا اور نیکوکار کو بھی حسرت ہوگی کہ ایک۔ ایک نیکی کی ایسی بہترین جزا مقرر ہے تو اس سے زیادہ نیکیاں کیوں نہ کیں کہ اس سے بھی بہتر ثمرہ ملتا۔ حضرت سعدیؒ نے کیا خوب فرمایا:۔

تو امروز فرصت غنیمت شمار — کہ فردا ندامت نیاید بکار

بکوش اے توانا کہ فرماں بری — کہ در ناتوانی بسے غم خوری

مآاحضرت کی تفسیر مَآ اَحْضَرَتْ سے مراد یا تو اعمال نامے ہیں جو قیامت میں

ہر ہر شخص کو دیئے جائیں گے کوئی نیک ہے تو اس کے داہنے ہاتھ میں اور اگر بد ہے تو اس کے بائیں ہاتھ میں یا پیٹھ پیچھے سے ۔اس طرح کہ بایاں ہاتھ سینہ میں سے پرو کر پیچھے کی طرف نکالا جائے گا اور اس میں اعمال نامہ دیا جائیگا۔ یا یہ کہ جو اعمال دنیا میں کئے تھے وہ اعمال خود حاضر کئے جائیں گے۔ خواہ وہ اعمال نیک ہوں یا بد۔ اگر اعمال صالحہ ہوں تو ان کو اچھی شکل میں تشکل کر کے حاضر کیا جائے گا اور اگر اعمال بد ہوں تو وہ بری شکل میں جو ہر ہر عمل کے مناسب حال ہو ظاہر کیا جائے گا۔ یہ اس اصول اور قاعدے کے تحت ہے کہ دنیا میں جو چیزیں اعراض میں شامل تھیں آخرت میں وہ جواہر کی صورت میں نمودار ہوں گی اور یہاں جو چیزیں جواہر کی شکل میں تھیں وہ وہاں اعراض کی صورت میں ہونگی ۔کیونکہ آخرت کا عالم ہی جدا ہے جیسے عالم خواب یا عالم مثال یا عالم برزخ وغیرہ کہ ان میں جو چیز دکھائی جاتی ہے اس کی شکل کچھ اور ہوتی ہے ۔ اور یہاں ان کی شکل کوئی اور ہی ہوتی ہے ۔

فَلَآ اُقۡسِمُ بِالۡخُنَّسِ[۱] ۙ الۡجَوَارِ الۡكُنَّسِ[۲] ۙ وَالَّيۡلِ اِذَا 81-15 81-16 81-17

---

[۱] خنس عنہ یخنُس و یخنِس خنسا و خنوسا رجع و تنحّی و تأخّر و انقبض ...... و الخانس اسم فاعل ج خُنّس ۔ و الخُنّس الکواکب کلّھا

81-18
81-19

عَسْعَسَ ۙ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ۙ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ

(بقیہ حاشیہ علیٰ صفحہ گزشتہ)

او السیارۃ منها او النجوم الخمسة زحل والمشتری والمریخ والزهرة وعطارد وفی سورة التکویر فلا اقسم بالخنّس. قال البیضاوی ای بالکواکب الرواجع من خنس اذا تاخر وهی ماسوی النیّرین من السیارات (محیط المحیط)

خَنَسَ باب نصر اور ضرب سے آتا ہے خنس اور خُنُوس اس کا مصدر ہے۔ اس کے معنی ہیں رجوع کیا، لوٹا، کنارے ہوا، پیچھے ہٹا، منقبض ہوا۔ خانس اسم فاعل اور خُنَّس اس کی جمع ہے۔ اس سے تمام ستارے مراد ہیں۔ یا صرف سیارے یا پانچ سیارے (زحل، مشتری، مریخ، زہرہ و عطارد) مراد ہیں۔ سورۂ تکویر میں فلا اقسم بالخنّس جو وارد ہوا ہے اس کی نسبت تفسیر بیضاوی میں ہے کہ خُنَّس سے پلٹنے والے سیارے مراد ہیں یہ معنی محاورۂ عرب خَنَسَ سے ماخوذ ہیں جبکہ کسی کے پیچھے ہٹ جانے کے موقع پر بولا جاتا ہے۔ اور وہ چاند سورج کے سوا باقی سیارے ہیں۔"

۲ الکنّس جمع کانس ای التی تغیب والجواری الکواکب السیّارۃ (مجمع البحار) وکنس الظبی یکنس دخل فی کناسه کتکنّس وهو مستتره فی الشجر لانه یکنس الرمل حتی یصل ج کُنُس وکُنّس کرکّع (قاموس) کُنّس جمع کانس کی۔ یعنی چھپ جانیوالا اور جواری سے سیارے مراد ہیں۔" کنس الظبی محاورہ ہے جب ہرن اپنے جھرمٹ میں گھس جاتا ہے تو

ذِی قُوَّۃٍ عِنۡدَ ذِی الۡعَرۡشِ مَکِیۡنٍ ۙ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیۡنٍ ؕ 81-20 81-21

پس قسم کھاتا ہوں میں پیچھے ہٹ جانے والوں کی' سیدھا چلنے والوں کی' چھپ جانے والوں کی' اور رات کی جب پھیلے' اور صبح کی جب سانس لے' بے شک یہ پیام ہے اس پیغامبر کے زبانی جو عزت والا' زور والا' عرش کے مالک کے پاس درجہ والا ہے' وہاں اس کو مانا جاتا ہے' بڑا ہی امانت دار ہے"

الخنس اور الکنس کی تفسیر حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ آیہ کریمہ فلا اقسم بالخنّس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ خمسۃ انجم زحل و عطارد والمشتری و بھرام

(بقیہ حاشیہ ۲ صفحہ گزشتہ)

کہا جاتا ہے ایسی صورت میں تکنّس بھی کہتے ہیں جبکہ وہ جھاڑوں میں چھپ جائے۔ اصل میں کنس جھاڑو دیکر کچرا کوڑا دور کرنے کو کہتے ہیں۔ ہرن بھی جب اپنے جھونپڑے میں جا بیٹھتا ہے تو تحت کی زمین کو جھاڑو ہو جاتی ہے"

۳ قولہ واللیل اذا عسعس ای اقبل وادبر وذلک فی مبدأ اللیل ومنتھاہ فالعسعۃ والعساس رقۃ الظلام وذلک فی طرفی اللیل۔ (مفردات) عسعس کے معنی متوجہ ہونے اور پیٹھ پھیرنے دونوں کے آتے ہیں۔ ایسی صورت رات کے ابتدائی اور انتہائی حصوں میں درپیش ہوتی ہے عسعسۃ اور عساس کے اصلی معنی خفیف سی تاریکی کے ہیں اور یہ رات کے دونوں کناروں ہی میں ہوا کرتی ہے"

والزهرة ليس في الكواكب شيئ يقطع المجرة غيرها (ابن ابی حاتم)
پیچھے ہٹ جانے والے جن کی قسم کھائی جا رہی اور جن کو بطور گواہ پیش کیا جا رہا ہے وہ پانچ ستارے ہیں۔ زحل، عطارد، مشتری، بہرام اور زہرہ۔ تمام ستاروں میں ان پانچ کے سوا اور کوئی تارا نہیں جو آسمان کے دروازے کو طے کرے۔" نیز آپ نے الجوار الکنس کی تفسیر میں فرمایا:۔ هي الكواكب تكنس بالليل وتخنس بالنهار فلا ترٰى۔ (سعید بن منصور، فریابی، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن ابی حاتم، حاکم بروایت صحیح) یہ بھی ستارے ہیں جو رات کو چھپ جاتے اور دن کو پیچھے ہٹ جاتے ہیں دکھائی نہیں دیتے۔" حضرت ابن عباسؓ سے اس طرح مروی ہے:۔ قوله فلا اقسم بالخنس الجوارى الكنس قال هي النجوم السبعة زحل وبهرام وعطارد والمشترى والزهرة والشمس والقمر خنوسها رجوعها وكنوسها تغتيبها بالنهار۔ (ابن مردویہ، خطیب بغدادی)
ارشاد باری تعالیٰ میں خُنَّس اور کُنَّس سے سات سیارے مراد ہیں۔ زحل، بہرام، عطارد، مشتری، زہرہ، شمس، قمر۔ ان کے خنوس سے مراد ان ستاروں کا پلٹنا ہے اور کنوس سے مراد ان کا دن کو غائب ہو جانا ہے۔" بہرام سے مریخ مراد ہے۔

سیاروں کی رفتار یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ سیاروں کی رفتار مختلف قسم کی ہے جب انکی رفتار مغرب سے مشرق کی طرف رہتی ہے۔ یہ ان کی سیدھی راہ ہوئی۔ اور کبھی یہ سیارے آفتاب کے نزدیک آجاتے ہیں تو یہ بالکل گم ہو جاتے ہیں۔ یہ نہیں کہ فنا ہو جاتے ہیں بلکہ سورج کی تیز روشنی کی وجہ سے ان کی روشنی ایسی ماند پڑ جاتی ہے کہ کئی دنوں تک دکھائی ہی نہیں دیتے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بالکل غائب ہو گئے ہیں۔ یہ ان کا چھپ جانا اور غائب ہو جانا ہوا۔ اسی طرح جب رات آنے لگتی ہے تو تاریکی آہستہ آہستہ پھیلنا شروع ہوتی ہے اور تاریکی جیسی جیسی پھیلنا شروع ہوئی۔ ستارے نظر آنے لگے پھر جب تاریکی خوب چھا گئی تو آسمان ستاروں کی کثرت سے جگمگانے لگا۔ پھر رفتہ رفتہ جب رات ختم ہونے لگتی ہے تو دوبارہ ستاروں کی وہ کیفیت جو آغاز شب میں تھی عود کر آتی ہے اور صبح کی روشنی جیسی جیسی پھیلنا شروع ہوئی ستارے غائب ہونے لگے۔ یہاں تک کہ مہر مبیں طلوع ہوا تو پھر کوئی ستارہ نظر نہ آیا صرف اسی نیر اعظم کی حکومت تمام عالم پر چھائی ہوئی رہی۔ ایسی کیفیت روز مرہ کا مشاہدہ ہے اس دائمی بدیہی اور واضح احوال کو گواہ گردان کر جس کا انکار نہیں ہو سکتا قرآن کریم کی حقیقت اور حقیقت کا اعلان فرمایا جا رہا ہے۔ ایسے دلچسپ پیرایہ میں کہ اسکی نظیر نہیں ملسکتی

بنی آدم کے مختلف ادوار ستاروں کے اس بیان کے ضمن میں یہ اشارہ مقصود ہے کہ

آفرینش عالم سے لے کر اب تک مختلف ادوار آتے رہے ہیں۔ بنی آدم میں دینی اعتبار سے تاریکی پھیلتی رہی تو اللہ سبحانہ نے اپنے لطف و کرم سے ان ہی میں سے ایسی برگزیدہ ہستیاں پیدا کیں جو آسمان ہدایت کے نجوم، کواکب، سیارات، ثوابت وغیرہ ثابت ہوئے۔ ہر قوم میں ہادی، یا نذیر، نبی یا رسول میں سے کوئی مبعوث ہوتے رہے۔ بلکہ ایک ایک وقت میں کئی کئی حضرات تشریف لا کر سیدھی راہ چلتے رہے اور تاریک دنیا کو اپنے اپنے نور سے روشن اور منور کرتے رہے۔ ایک نے پردہ فرمایا تو دوسرے جلوہ گر ہوئے اور یہی سلسلہ حضرت آدم سے حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہما الصلاۃ والسلام تک جاری رہا۔ پھر رات کی تاریکی انتہا کو پہنچی اور ادھر جہالت کا ابر اس زور سے اٹھا کہ تمام نجوم، کواکب، سیارات و ثوابت نظروں سے اوجھل ہو گئے اور ان کی روشنی غائب ہو گئی۔ بمصداق ظلمات بعضھا فوق بعض۔ جاہلیت کا ایسا دور دورہ رہا کہ خدا کی پناہ۔ تاریکی پر تاریکی۔ اور ایک سے ایک بڑھی ہوئی تا آنکہ انسانیت بھی اس پر شرما رہی تھی۔ جب یہ حالات بھی اپنی انتہا کو پہنچے تو خدائے رحمٰن و رحیم کو منظور ہوا کہ ہمیشہ کے لئے بستی دنیا کی ہدایت کا ایک مستقل اور پائدار نظم قائم کیا جائے کہ دنیا میں کیسے ہی انقلابات آئیں مگر اللہ سبحانہ کا قائم کیا ہوا نظم اپنی جگہ مستحکم رہے۔

بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم چنانچہ جاہلیت کی شب دیجور کٹی، اور رشد و ہدایت کی صبح صادق نمودار ہوئی۔ تمام انجم، کواکب، سیارے اور ثوابت رخصت ہوئے۔ ان میں جو کوئی زیادہ روشن اور درخشاں تھے صبح صادق کے اجالے میں ان کی روشنی بھی مدہم پڑ گئی۔ یہاں تک جب آفتاب رسالت اپنی شان کے ساتھ طلوع ہوا تو وہ روشن اور درخشاں ستارے بھی چھپ گئے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ وصلوات اللہ سلامہ علیہم اجمعین۔ جیسا کہ علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

فانّہ شمس فضل ھم کواکبھا یظھرن انوارھا باللیل فی الظلم

حتّٰی اذا اطلعت فی الکون عمّ ھداھا للعٰلمین واحیت سآئر الامم

حضور رحمۃ للعلمین آفتاب فضیلت ہیں اور تمام انبیاء و رسل کواکب ہیں جن کے انوار صرف تاریک رات ہی میں ظاہر ہوتے ہیں۔ تا آنکہ جب نیر اعظم عالم کون میں طلوع ہوا تو اس کی ہدایت تمام عوالم میں عام طور پر پھیل گئی اور ایسی پھیلی کہ (انبیائے سابقین کی) تمام امتوں میں بھی جان پڑ گئی اور سب کی سب زندہ ہوگئیں"۔

دوسری تفسیر یہاں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ستاروں کے سیدھا چلنے، لوٹنے اور چھپ جانے سے فرشتوں کی آمد و رفت مراد لی جائے اور رات کے گزرنے سے جاہلیت کا ختم ہونا اور صبح صادق کے طلوع ہونے سے نزول قرآن کریم کی طرف اشارہ سمجھا جائے

جیسا کہ بعض مفسرین کرام نے تحریر فرمایا ہے تو اس صورت میں مقسم علیہ کے ساتھ مقسم بہٖ کی مناسبت اور بھی زیادہ واضح ہوگی مطلب یہ ہوگا کہ قسم ہے ان فرشتوں کی جو سیاروں کی طرح سیدھے چلتے' واپس ہوتے' صبح صادق کی طرح نمودار ہوتے پھر تاریک رات کی طرح غائب ہوتے ہیں۔ یہ تمام فرشتے اس امر کے گواہ ہیں کہ یہ قرآن کریم پیام ہے اس پیامبر کی زبانی جو ان صفات سے موصوف ہے۔ ظاہر ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کے وحی لانے پر دوسرے فرشتوں کی گواہی ایک مسلمہ اور ناقابل انکار حقیقت ہے واللہ اعلم۔

اس کے بعد قرآن کریم کے منزل من اللہ ہونے کے سلسلے میں اس کے اتار لانے والے فرشتے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے یہ چند صفات گنائے جا رہے ہیں تاکہ اس کلام ربانی کی اہمیت ذہن نشیں ہو جائے۔ ارشاد ہے:۔

قوت جبرئیل إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ۔ بے شک یہ قرآن عظیم پیام ہے اس پیامبر کی زبانی جو عزت والا ہے' زور والا ہے عرش بریں کے مالک کے پاس درجے والا ہے۔ وہاں اس کو مانا جاتا ہے بڑا ہی امانت دار ہے۔ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ کی تفسیر قبل ازیں کئی دفعہ گزر چکی ہے۔ حضرت جبرئیلؑ کی قوت اور امانت کا اندازہ روایت ذیل سے ہوگا:۔ حضرت معاویہ بن قرہؓ کہتے ہیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لجابریل ما احسن ما اثنی علیک ربک ذی قوۃ عند ذی العرش مکین
مطاع ثم امین۔ فما کانت قوتک وما کانت امانتک؟ قال اما قوتی
فانی بعثت الی مدائن لوط وھی اربع مدائن وفی کل مدینۃ اربعمائۃ
الف مقاتل سوی الذراری فحملتھم من الارض السفلی حتی سمع اھل السماء
اصوات الدجاج ونباح الکلاب ثم ھدیت بھم فقلبتھم۔ حضرت سید المرسلین
صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین نے حضرت جبریلؑ سے فرمایا کہ آپ کے پروردگار نے
(قرآن کریم میں) آپ کی کیا ہی بہتر تعریف فرمائی ہے کہ زور آور ہے، مالک عرش کے
پاس درجہ رکھتا ہے۔ مانا ہوا ہے بڑا ہی امانت دار ہے۔" آپ کی قوت کتنی اور
آپ کی امانت داری کیسی ہے؟ اس پر جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ میری قوت کا
اندازہ اس سے فرمالیجئے کہ مجھے مدائن لوط کی بربادی کے لئے بھیجا گیا۔ یہ چار شہر تھے
جن میں سے ایک ایک شہر میں چار چار لاکھ صرف جنگجو فوج تھی ان کی اولاد اور متعلقین
رہے ایک طرف۔ میں نے ان کی سرزمین کو سب سے نیچے کے طبقے سے (اپنے پروں پر)
اٹھالیا۔ اتنا کہ اس کو آسمان تک لے گیا تاآنکہ آسمان والے ان بستیوں کے مرغوں کی
بانگ اور کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سن رہے تھے۔ پھر ان کو الٹا کر نیچے دے مارا اور
(چشم زدن میں) سب کو تہس نہس کردیا۔"

جبرئیل کی امانت داری واما امانتی فلم اومر بشیئ فعدوتہ الی غیرہ۔ (ابن عساکر) رہی میری امانت داری اس کا یہ حال ہے کہ کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ مجھے کسی چیز کا حکم دیا گیا ہو اور میں نے اس سے (ذرہ برابر بھی) تجاوز کیا ہو۔ یعنی کبھی حکم کی تعمیل میں نہ کسی قسم کی کوتاہی کی اور نہ کسی طرح کی زیادتی عمل میں لائی۔ جتنا حکم ہوا ٹھیک ٹھیک اتنا ہی کیا۔ حضرت ابو صالح فرماتے ہیں:۔ امین علی سبعین حجابا یدخلھا بغیر اذن۔ (ابن المنذر ابو الشیخ) (جبرئیل امین کی امانت داری اس درجہ مسلمہ ہے کہ) ستر پردوں میں بھی وہ بلا حصول اجازت داخل ہو سکتے ہیں۔"

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ غالباً یہ ستر حجابات وہی ہیں جن کا بیان حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت میں ہے:۔ للّٰہ دون العرش سبعون حجابا لو دنونا من احدھا لاحرقتنا سبحات وجہ ربنا۔ عرش اعظم سے ورے اللہ سبحانہ کے ستر حجابات ہیں۔ اگر ہم ان میں سے کسی ایک سے بھی قریب ہوں تو ذات الٰہی کی تجلیات ہم کو جلا کر خاکستر کر دیں۔" اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت میں حجاب کی تشریح اس طرح فرمائی گئی ہے:۔ حجابہ النور لو کشفہ لاحرقت سبحات وجھہ ما انتھی الیہ بصرہ من خلقہ۔ (مسلم شریف) اس کا پردہ نور کا ہے اگر اس کو اٹھا دے تو جہاں تک اس کی نظر کام کرتی ہے تجلیات ذات

اس کی ساری مخلوقات کو جلا کر خاکستر کر دیں۔" اور ظاہر ہے کہ اس کی نظر کی کوئی حد نہیں تو نتیجہ یہ نکلا کہ ساری مخلوقات دم بھر میں جل کر بھسم ہو جائیں۔ اللہ اکبر۔ بہرحال حضرت جبرئیل امین کی امانت داری کا یہ عالم ہے کہ ان کو ستر حجابات میں داخل ہونے کا اذن عام حاصل ہے۔ اذن جدید کی حاجت نہیں رہی۔

مطاع ثم امین کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ آیہ کریمہ مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لجبریل لیلۃ الاسراء اکشف عن النار فکشف عنھا فنظر الیھا فذلک قولہ مطاع ثم امین علی الوحی۔

(ابن المنذر) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب اسراء میں جبرئیل علیہ السلام سے ارشاد فرمایا کہ حجاب دوزخ کو ہٹا دو۔ انھوں نے تعمیل کی، حضورؐ نے دوزخ کو ملاحظہ فرمایا (یعنی جو موانع حائل تھے سب کے سب چشم زدن میں دور کرا دیے گئے) اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتھ لے کر آسمان کے جس دروازے پر پہنچے ہر ایک دروازہ کو کھلواتے گئے۔ تا آنکہ تمام دروازے جبرئیل علیہ السلام کے حکم پر کھلتے گئے۔ اس سے حضرت جبرئیل کے اقتدار کا اندازہ ہو سکتا ہے جو ان کو عالم ملکوت میں حاصل ہے نیز وہ وہاں مسلمہ طور پر امین کہلاتے ہیں لہٰذا) وحی الٰہی کے پہنچانے میں بھی وہ امین ٹھہرے۔" ایسے ستودہ صفات رکھنے والی بزرگ ہستی کے پہنچائے ہوئے پیام کے منجانب اللہ ہونے میں

کیا کلام ہو سکتا ہے؟ یہاں تک تو جبرئیل امین اور ان کی پیام رسانی کا بیان تھا۔ اب یہ پیام جہاں آ رہا ہے اس مبارک و برگزیدہ ہستی کا بھی مختصر احوال سُن لیجئے۔ ارشاد ہو رہا ہے :۔

اصولِ روایت علم روایت کا مسلمہ اصول ہے کہ کسی روایت کی صحت، راوی کے صفات کے اعتبار سے ہے۔ صفات یہ ہیں کہ راوی عادل، ضابط و حافظ، ثقہ اور امانت دار ہو۔ پھر جس میں یہ صفات جس درجہ اعلیٰ و اکمل ہوں اس کی روایت بھی ایسی ہی اعلیٰ و اکمل اور قابل قبول ہوگی۔ قرآن کریم جو اللہ سبحانہ کا کلام اور اس کے بندوں تک اس کا پیام ہے۔ وہ دو راویوں کے توسط سے بندوں تک پہنچا ہے۔ ایک راوی عالم ملکوت سے تعلق رکھتے ہیں یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام۔ دوسرے وہ ذات قدسی صفات جن کا تعلق عالم ناسوت سے ہے یعنی رسول مقبول حضور اکرم احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ ان آیات بینات میں حضرت جبرئیل کے صفات بیان فرمائے گئے ہیں کہ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ یقیناً یہ پیام ایک پیامبر کی زبانی آیا ہے جو صفت کرم کے ساتھ موصوف ہیں۔ حدیث شریف ہے :۔ الکرم التقویٰ۔ تقویٰ ہی کرم ہے" اور ارشاد باری ہے :۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ تم میں جو زیادہ متقی ہے وہی سب سے زیادہ اہل کرم (با عزت) ہے"۔ اس سے حضرت جبرئیل کا عادل ہونا ثابت ہوا اس کے بعد ارشاد ہوا :۔ ذِیْ قُوَّۃٍ۔ بڑی قوت والے"

22. وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ 23. وَلَقَدْ رَآهُ بِالأُفُقِ الْمُبِينِ 81-22 81-23

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

قوت جبرئیل کی تشریح اوپر گزر چکی۔ اسی کے ضمن میں قوت ضبط وحفظ بھی ثابت ہوئی' نیز یہ بھی فرمایا گیا عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ۔ مالک عرش کے ہاں ان کی بڑی منزلت ہے" یہ منزلت اللہ سبحانہ کی بارگاہ میں ہوئی۔ پھر فرمایا گیا۔ مُطَاعٍ۔ ان کی بات بے چون وچرا مانی جاتی ہے" یہ مقبولیت ان کے ہم جنسوں گروہ ملائکہ کرام میں ہوئی۔ اس تقریر سے پوری طرح ثابت ہو گیا کہ حامل وحی الہی' حضرت جبرئیل علیہ السلام جو پیام خداوندی کے راوی ہیں وہ اعلی درجہ کے عادل' ضابط' حافظ اور ثقہ ہیں۔ جو پیام ان کے متقی' ذی وجاہت ہونے کی بنا پر ان کو سنایا جاتا ہے وہ اسکو پوری طرح اپنے دل میں جگہ دیتے اور خوب یاد رکھتے ہیں۔ اس کا کوئی گوشہ یا گوشہ ان سے فراموش ہونے نہیں پاتا۔ پھر آخر پر ارشاد ہو رہا ہے:۔ اَمِیْنٍ۔ یعنی جب اس پیام کو پہنچانے کا وقت آتا ہے تو بغیر کسی قسم کی زیادتی وکمی کے پورا پورا پہنچا دیتے ہیں جیسا کہ امانت داری کا اقتضا ہے۔ ایسا مکرم' ضابط' حافظ' ثقہ' عادل اور امین پیمبر جب کوئی پیام پہنچائے جو پیام دینے والے کی بارگاہ میں باعزت' اور اپنے مقدس گروہ میں عام طور پر پسندیدہ ومقبول ہو تو اس کے ایسے پیام میں کسی ریب' تردد اور شک وشبہ کی گنجائش کہاں۔ ان ہی آیات کریمہ سے محدثین کرام نے احادیث شریفہ کی روایت کو تسلیم کرنے کے شروط وقواعد استنباط فرمائے اور علم حدیث کی بنیاد ایسے اعلی اصولوں پر رکھی

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ۝ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيمٍ ۝ 81-24 81-25
فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ۝ اور تمھارے صاحب کچھ دیوانہ نہیں ہیں۔ اور بہ تحقیق 81-26

انھوں نے اس (فرشتے جبرئیل) کو دیکھا ہے آسمان کے روشن کنارے پر اور یہ (نبی)

غیب بتانے میں بخیل نہیں اور نہ وہ مردود شیطان کا کلام ہے۔ پھر تم کہاں جاتے ہو"۔

صاحبکم کی تفسیر سرتاج ملائکہ جو پیام الٰہی کے پہلے راوی ہیں ان کے صفات تو معلوم ہوچکے۔ اب رسول الثقلین حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صفات عالیہ بھی سن لیجئے کہ مذکورۂ بالا تمام صفات آپ کی ذات اقدس میں بھی بدرجہ اتم موجود ہیں۔ اس کا بیان اتنی تفصیل کے ساتھ کرنے کی ضرورت نہیں رہی صرف ایک کلمہ صَاحِبُکُمْ ان تمام صفات کا جامع کلمہ ہے۔ چونکہ جبرئیل کو تم نے دیکھا نہیں اس لئے ان کے صفات تفصیل سے بیان کرنے کی ضرورت تھی۔ باقی اسی پیام کے دوسرے راوی تمھارے صاحب ہیں جو تم میں پیدا ہوئے ولادت باسعادت کے وقت سے لیکر چہل سالہ عمر شریف ہونے تک وہ تمھارے ساتھ ہی رہتے آئے ہیں۔ حیات طیبہ کے ہر دور میں تم ان کو دیکھتے' آزماتے' تجربہ کرتے رہے ہو' اس طویل وعریض مدت میں تم کو عمیق مطالعہ کا خوب موقع ملا ہے۔ خود غور کرلو کہ مذکورہ صفات کس درجہ آپ میں ودیعت ہیں۔ زبردستی تم نے ازراہ شرارت ان کو مجنون کہنا شروع کردیا ہے۔

کیا درحقیقت آپ کی جناب میں ایسا کلمہ کہا جا سکتا ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ تمہارے صاحب دیوانہ نہیں بلکہ ایسا کہنا خود دیوانہ پن ہے۔ آپ کو عقل کامل اور فہم و فراست سے ایسا بہرہ وافر اور حظ کامل عطا ہوا ہے کہ اگر روئے زمین کے عقلاء کی عقل و فہم کو میزان عدل کے ایک پلہ میں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عقل و فہم کو دوسرے پلہ میں رکھ کر تولا جائے تو آپ کی عقل و فہم کے مقابلہ میں تمام عقول و افہام کوئی نسبت ہی نہیں رکھتے۔ ایمان سے کہو تم خود کہتے آئے ہو:۔ انّہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتمّ الخلق عقلاً وارجحھم قیلاً واکملھم وصفاً واصفاھم ذھناً۔ آپ کی ذات ستودہ صفات تمام مخلوقات کے مقابلہ میں عقل کے اعتبار سے تمام تر اور کلام کے اعتبار سے راجح تر' اور اوصاف کے اعتبار سے کامل تر اور ذہن کے اعتبار سے اصفا و اعلیٰ ہے۔" پھر کس منہ سے آپ کی طرف جنون اور دیوانگی کی نسبت کرتے ہو۔

رویت ولقاء مروی عنہ اب رہ جاتی ہے ایک شرط کہ راوی ثانی نے راوی اول کو دیکھا ہو اور اس سے ملاقات کی ہو۔ جبھی تو یہ ان کی بات سن کر دوسروں سے بیان کر سکتے ہیں۔ رویت اور لقاء راوی بھی صحت روایت کی ایک شرط ہے۔ اسکو بھی بیان فرما دیا گیا:۔ ولقد رأٰہ بالافق المبین۔ بے شک وشبہ آپ نے

جبرئیلؑ کو روشن کنارے پر ملاحظہ فرمایا۔ یہ رویت تو جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت پر دیکھنے کی تھی۔ لہٗ ستمائۃ جناح قد سدّ الافق۔ آپ کے چھ سو باز و تھے آپ کے وجود سے سارا افق بھر گیا تھا" پھر معراج میں بھی ان کو اصلی صورت میں دیکھا۔ اس کے علاوہ دحیۂ کلبیؓ کی صورت میں اکثر حاضر دربار رسالت ہوئے اور حضور انورؐ سے شرف ملاقات حاصل کرتے اور اللہ سبحانہ کے پیامات پہنچاتے رہے جب صحت روایت کے تمام شروط بدرجہ اتم و اکمل پائے گئے تو قبول و تسلیم میں کوئی کلام نہ رہا۔ اسی لئے آگے ارشاد ہو رہا ہے :۔

وَمَاهُوَ علی الغیب بضنین کی تفسیر | وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ۔ اور وہ یعنی تمھارے صاحبؐ غیب کے بتانے میں کسی طرح کا بخل نہیں فرماتے ہیں" مطلب یہ کہ آپ کے فرمودات جب ہر قسم کے شک و شبہہ سے بالاتر اور آپ کی ہر بات لیے چون چرا قابل قبول و تسلیم ٹھہری تو تمھارا فرض ہے کہ آپ کی خدمت بابرکت میں حاضری دیا کرو۔ اور اللہ سبحانہ کے پیامات جو آپ کے پاس آتے رہتے ہیں ان کو سیکھتے رہو پیامات کیا ہیں۔ عالم غیب کی باتیں ہیں۔ جہاں عقل انسانی کی رسائی نہیں ہوسکتی عالم شہادت کی انتہا' عالم غیب کی ابتدا ہے۔ یہی حال عقل انسانی کا ہے کہ عالم شہادت اس کی آخری حد ہے۔ اور رسولوں کی باتیں اس سے ماوراء کی ہوتی ہیں لہٰذا آپ سے

اللہ سبحانہ کے پیامات واحکامات دریافت کرتے رہو۔ ان کے بتانے میں آپ کسی نوع کی کوتاہی نہیں فرماتے ہیں۔ کیونکہ یہ پیامات تم کو سنانے کے لئے ہی آئے ہیں پھر اس میں آپ بخل کیوں فرمانے لگے؟

وماھو بقول شیطان کی تفسیر

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ۔ اور نہ وہ مردود شیطان کا کلام ہے پھر تم کہاں جاتے ہو" بخلاف اس کے تم لوگ کاہنوں اور نجومیوں کے پاس جاتے ہو۔ ان کے پاس کوئی پیام اللہ سبحانہ کا نہیں آتا۔ وہ اپنی من گھڑت باتیں بیان کر دیتے ہیں اور تم ان کو مان لیتے ہو۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ اگر کبھی کسی جن یا شیطان نے فرشتوں کی کوئی اک آدھ بات چوری چھپے سے سن پائی تو اس کو کاہنوں تک پہنچا دیا۔ چونکہ یہ ناتمام بات ہوتی ہے اس لئے وہ اس میں اپنی طرف سے کچھ تک بندی کر لیتے، قافیہ پیمائی کرتے اور بات کا بتنگڑ بنا کر پیش کرتے ہیں۔ اور اس کو بھی وہ اس وقت تک نہیں بتاتے جب تک کہ تمہاری طرف سے کچھ پیشکش (میوہ مٹھائی یا نقد وجنس وغیرہ) نہ ملے۔ اور ایسا معاملہ محض ان کی حرص وآز، بخل اور کمینگی کی بنا پر ہوتا ہے۔ اللہ کے پیغمبروں کا تم سے کوئی مطالبہ نہیں۔ وہ صاف صاف فرماتے ہیں:۔ لآ اسئلکم علیہ اجرا۔ میں اس تعلیم و تلقین، تبلیغ اور پیام رسانی کا کوئی صلہ یا معاوضہ تم سے نہیں چاہتا"۔ ان اجری الا علی اللہ۔

ہمارا معاملہ تو صرف اللہ سبحانہ کی ذات سے ہے" غور کرو کہ کہاں ان جھوٹے کاہنوں کی
تراشی ہوئی باتیں۔ اور کہاں اللہ کے سچے پیغمبروں کی تبلیغ رسالت۔ کیا ان دونوں میں
فرق نہیں کرسکتے؟ پھر تم کو ہمارے پیام و کلام کو سننے اور ماننے اور اس پر عمل پیرا ہونے
میں تامل و تردد کیوں ہے؟ سوچو سمجھو اور خوب سمجھو۔ یہ بیان رسولِ ملائکہ اور رسولِ بشر
کی پیام رسانی کا ہوا۔ آئندہ خود اس پیام و کلام کی حقیقت پر روشنی ڈالی جارہی ہے

ارشاد ہے:۔

-27
-28 إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ۝ لِمَن شَاءَ مِنكُمْ أَن يَسْتَقِيمَ ۝
-29 وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ع یہ تو محض نصیحت ہے

تمام جہاں کے لئے، اس شخص کے لئے جو تم میں سے سیدھی راہ چلنا چاہتا ہے، اور تم چاہ
نہیں سکتے بغیر چاہنے اللہ کے جو سارے جہاں کا پروردگار ہے"

ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ کی تفسیر إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ کے ذریعہ یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ اے کفار قریش! اگر تم کو قرآن کریم کے کلام اللہ ہونے میں کوئی شبہ ہے تو اس کو شروع سے آخر تک پڑھ جاؤ۔ یا اس کی کوئی سورت، رکوع یا آیت پڑھ لو تو صاف طور پر تم کو معلوم ہو جائیگا کہ اس میں جو کچھ ہے اللہ سبحانہ کی یاد دہانی اور نصیحت ہے اس میں دارین کی بھلائی اور نجات کی صورتیں بتائی گئی ہیں۔ سارے جہاں کے لوگ

خواہ وہ کسی جگہ رہتے ہوں اور کسی بھی زمانے سے ان کا تعلق ہو وہ اس کو پڑھ کر اور اس کی بتائی ہوئی باتوں پر قائم رہ کر اپنی دنیا بھی سدھار سکتے ہیں اور آخرت کی کامیابی بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ کسی قوم، نسل، رنگ روپ، زمان و مکان کی تخصیص نہیں۔ ہر قوم، ہر نسل، ہر رنگ روپ والا، ہر زمانے کا اور ہر جگہ کا رہنے والا اس یاددہانی اور نصیحت سے فائدہ اٹھا سکتا اور حیات دنیوی اور حیات اخروی کی کامیابی کا سامان فراہم کر سکتا ہے۔

یستقیم کی تفسیر لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ کے ذریعہ یہ بتلانا منظور ہے کہ قرآن کریم جہاں بھر کے لئے نصیحت تو ہے لیکن اس نصیحت سے حقیقی طور پر نصیحت پذیر وہی ہوگا جو قرآن کریم کی بتائی ہوئی سیدھی راہ پر چلنا بھی چاہے۔ اگر کوئی شخص ایسا ہے جو صراط مستقیم پر چلنا ہی نہیں چاہتا تو اس کتاب عزیز سے اس کو کیا فائدہ پہنچ سکیگا؟ اس کی مثال ایک مجرب دوائی سی ہے جو کسی مرض کو دفع کرنے کیلئے بنائی گئی ہو۔ یہ اسی وقت کسی مریض کے لئے مفید ثابت ہوگی جبکہ وہ اپنی کھوئی ہوئی صحت کو دوبارہ حاصل کرنے کا آرزومند ہو، پھر وہ کسی طبیب سے رجوع ہو اور اس کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق اس کا استعمال کرتا ہو اور اس کی ہدایات پر عمل کر رہا ہو۔ فرض کیجئے کہ کوئی مریض ایسا ہے کہ وہ اپنی صحت چاہتا ہی نہیں یا اپنے زعم میں

خود کو مریض ہی تصور نہیں کرتا اور بزعم خود اپنے کو صحت مند کہتا ہے تو طبیب،
دوا اور پرہیز سے اس کو کیا تعلق ہوگا اور جب یہ سب کچھ نہیں تو اسکی صحت کی
امید کیسے کیجا سکتی ہے؟ یا ایک بدشوق لڑکا جس کو طلب علم سے کوئی واسطہ نہیں
وہ نہ کسی مدرسہ کو جاتا اور نہ کسی استاذ کے آگے زانوے ادب تہ کرتا، نہ کتاب
کھولتا، نہ پڑھتا تو اس کی کامیابی امتحان کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ اسی طرح
سمجھ لینا چاہیے کہ قرآن کریم سارے جہاں کے لئے نصیحت ہے بشرطیکہ اس سے
نصیحت حاصل کرنا چاہو۔ اور اس کے ہدایات پر عمل پیرا ہو۔

مشیت الٰہی کے بغیر کچھ نہیں

وَمَا تَشَآءُونَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ
رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ اور تم چاہ نہیں سکتے بغیر چاہنے اللہ کے جو تمام جہاں کا
پروردگار ہے۔" حضرت سلیمان بن موسیٰؒ فرماتے ہیں:۔ لما نزلت لمن
شاء منکم ان یستقیم قال ابوجھل الامر الینا ان شئنا استقمنا
وان شئنا لم نستقم فانزل اللہ وما تشآؤن الآ ان یشآء اللہ
رب العٰلمین۔ (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن ابی حاتم) جب آیہ کریمہ لمن شاء
منکم ان یستقیم نازل ہوئی تو ابوجہل نے کہا سارا معاملہ ہمارے ہاتھ ہے
ہم اگر چاہیں تو راہ راست پر قائم رہیں اور اگر چاہیں تو قایم نہ رہیں۔

(بوجہل کا مطلب اس سے یہ تھا کہ سب کچھ ہمارے ہاتھ ہے تو پھر ہم کو قرآن کریم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کے لئے کیوں کہا جاتا ہے؟ تو اس نوبت پر اللہ سبحانہ نے یہ آیۂ کریمہ نازل فرمائی کہ تمہارا چاہنا شرط ضرور ہے مگر واقعۃً تم چاہ ہی نہیں سکتے تاآنکہ پروردگار عالم نہ چاہے (تاثیر مشیت الٰہی پر موقوف ہے بعض لوگوں کے لئے متعلق ہوتی ہے اور بعض کے لئے ان کے سوءِ استعداد کی بنا پر متعلق نہیں ہوتی)" حضرت ابو ہریرہؓ اور قاسم بن مخیمرہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

حدیث فطرت معروف حدیث شریف ہے:۔ کل مولود یولد علی الفطرۃ وابواہ یھوّدانہ وینصّرانہ ویمجّسانہ۔ ہر بچہ فطرت (سلیمہ) پر پیدا ہوتا ہے اور اس کے ماں باپ اس کو یہودی' نصرانی' مجوسی بناتے ہیں" یا خود انسان بُری صحبت' یا اپنی کج روی کے باعث' قانون فطرت کی خلاف ورزی کر کے طریقہ استقامت سے دور جا پڑتا اور اپنی فطری استعداد و صلاحیت کو کھو دیتا ہے اور اس کا دل گناہوں کی شامت سے سیاہ ہو جاتا ہے ایسا کہ اس پر زنگ چڑھ گیا ہے۔ نور ہدایت کے قبول کرنے کی تمام راہیں بند ہو جاتی ہیں۔ جب استعداد اور صلاحیت ہی کھوئی گئی تو اس کی ہدایت کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ جیسا کہ

بعض کفار مکہ ابوجہل وغیرہ کا حال تھا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی شخص کا مرض ترقی کرکرکے لاعلاج حد تک پہنچ گیا ہو۔ اب نہ کوئی دوا اس کے لئے مفید ہو سکتی ہے اور نہ کوئی طبیب اس کے شفایاب ہونے کی کوئی تدبیر کر سکتا ہے۔ اس نوبت پر بآسانی یہ سمجھ لیا جا سکتا ہے کہ مشیت الٰہی بھی یہی تھی۔ چونکہ انسان کا علم محدود ہے اس لئے وہ اس آخری نوبت پر مشیت الٰہی کو سمجھتا ہے اور اللہ سبحانہٗ کی صفتِ علمِ ازلی ابدی ہے اور اس کی کوئی حد و انتہا نہیں تو ماننا پڑیگا کہ مشیتِ انسانی بھی مشیت الٰہی کی تابع ہے جس طرح انسان کے سارے صفات اس کے تابع ہیں محض مشیت انسانی کچھ نہیں تا آنکہ مشیت الٰہی اس کی مؤید نہ ہو۔

ہر امر میں مشیت کارفرما ہے

حضرت ابوبکر واسطی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:—

اعجزك في جميع صفاتك فلا تشاء الا في مشيئته ولا تعمل الا بقدرته ولا تطيع الا بفضله ولا تعصي الا بخذلانه فماذا يبقى لك وبماذا تفتخر باعمالك وليس منها شيئي اليك الا بتوفيقه' اللہ سبحانہ نے تجھے تیرے تمام صفات میں عاجز کر رکھا ہے' چنانچہ تو کسی چیز کو چاہ نہیں سکتا بجز اس کے کہ اس میں اس کی بھی مشیت ہو' اور تو کوئی کام نہیں کر سکتا مگر یہ کہ اس نے کام کرنے کی قوت عطا فرمائی ہو' تیری ساری طاعت

اس کے فضل کی بدولت ہے اور تیری نافرمانی اس کے خذلان اور رسوائی سے ہے۔ پھر اے انسان! تیرا کیا رہا، اور اپنے اعمال پر تیرا فخر کرنا کیسا؟ درحالیکہ اس کی توفیق کے سوا کوئی چیز تیرے حیطۂ اختیار میں نہیں۔"

مشیت کا انکار کفر ہے حضرت وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں:— قرأت اثنین وتسعین کتابا کلّھا انزلت من السمآء وجدت فی کلّھا انّ من اضاف الی نفسه شیئا من المشیئة فقد کفر۔ (ابن سعد، بیہقی) میں نے بیانوے کتابیں پڑھیں جو سب کی سب آسمان سے نازل ہوئی تھیں۔ ان تمام کتابوں میں نے یہ لکھا ہوا پایا کہ جس نے امر مشیت سے کچھ بھی اپنی طرف منسوب کیا تو یقیناً وہ کفر کا مرتکب ہوا۔" (اعاذنا اللہ منہ) مطلب یہ کہ حقیقت میں مشیت الٰہی ہی ہر امر میں ازلاً ابداً کارفرما ہے۔ اللہ سبحانہ کی مشیت کے خلاف کچھ نہیں ہو سکتا۔ مشیت کا انکار کفر ہے انکار کی صورت میں اللہ سبحانہ کا عجز لازم آئیگا۔ کیونکہ جس کام کو اللہ سبحانہ نے نہ چاہا اور وہ کام انجام پا جائے یہ امر محال ہے۔ رہا معاملہ مشیت و فیضان اقدس کا ہر ایک کی استعداد و صلاحیت کے لحاظ سے جاری ہوتا ہے۔ میرے استاذ محترم حضرت حسرت مدظلہ فرماتے ہیں ؎

تھا تیرا کمال فی سوالی تو نے وہ دیا جو میں نے مانگا

ہر ایک کی استعداد اللہ سبحانہ کے علم میں ہے۔ اگر استعداد اچھی ہے تو مشیت بھی اس کے لحاظ سے جاری ہوگی۔ اور اگر معاملہ برعکس ہے تو مشیت بھی اسی طرح ہوگی۔ کیوں کہ اللہ سبحانہ کی ایک صفت حکیم بھی ہے۔ لہٰذا جو مشیت بھی ہوگی وہ عین حکمت ہوگی۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ اللہ سبحانہ سے دعا ہے کہ ہم کو اور تمام مسلمان بھائیوں کو حسن استعداد نصیب فرمائے اور سوء استعداد سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

سورۂ تکویر کی تفسیر ختم ہوئی وللہ الحمد والمنہ۔ وصلی اللہ تعالی وسلم علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔ ۲۴؍ شعبان المعظم ۱۳۷۹ھ